سورہ بقرہ میں موجود معاملات وعقوبات سے متعلقہ مسائل میں اسالیب فقہ سے استدلال کا جائزہ (تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں)

A review of reasoning from the style of jurisprudence in the problems related to the matters and punishments in Surah Baqarah (In light of Tafseer Tabayan Al-Qur'an and Tafsir Ma'arif Al-Qur'an)

Dr Hafiz Falak Shair Fazi
Assistant Professor,Department of Islamic Studies,Lahore Leads University, Lahore:
hafizfalak.isl@leads.edu.pk

Arslan Arif
MS Scholar Deprtment of islamic studies,University of Sialkot
arslan.tarar65865@gmail.com

Muhammad Irfan
MS Scholar Department of Islamic studies,University Of sialkot
mirfanawan718@gmail.com

Abstract

Al-Qur'an, though short, is comprehensive and contains clear commands regarding all areas of life; But the position of these orders is principle. The Qur'an did not state all the details regarding the commands from the very beginning; Rather, a gradual approach was used. If all the details were explained at the very beginning and all the diagrams of the practical form were prepared, then firstly, its constitutional position would not have remained. It would happen and then it would become stagnant and lose its ability to adapt to the evolving society and absorb the needs and interests.

In this context, by presenting some examples of selected surahs, the reasoning in the problems has been reviewed from the methods of jurisprudence so that the Quranic concepts are clear.

Keyword: *constitutional, jurisprudence, stagnant, comprehensive*

قرآن مجید فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی چونکہ یہ سلسلۂ ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے؛ اس لیے اس کی جملہ تعلیمات و تفہیمات کا ہر زمانہ میں یکسانیت کے ساتھ پایا جانا لازمی تھا۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے حدود اربعہ بنا کر اس کے خطوط متعین کر دیے جائیں۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع مانع ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح احکام موجود ہیں؛ لیکن ان احکامات کی حیثیت اصول کی ہے۔ قرآن نے ایسا نہیں کیا کہ ابتداء ہی سے احکامات سے متعلق تمام جزئیات بیان کر دی ہوں؛ بلکہ اس میں تدریج کا طریقہ بروئے کار لایا گیا۔ اگر بالفرض ابتداء ہی میں ساری جزئیات بیان کر دی جاتیں اور عملی شکل کے سارے خاکے تیار کر دیے جاتے تو ایک تو اس کی دستوری پوزیشن باقی نہ رہتی، دوسری بڑی بات یہ ہوتی کہ اس کی دوامی اور عالمگیر حیثیت ختم ہو کر ساری تعلیم خاص زمانہ تک محدود ہو جاتی اور پھر اس میں جمود و تعطل پیدا ہو کر ارتقاء پذیر معاشرے کو سمونے اور اقتضاء و مصالح کو جذب کرنے کی ساری صلاحیت ختم ہو جاتیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید نے اس بات کی تو وضاحت کی ہے کہ حکومت اللہ کی نیابت و امانت ہو گی اور ہر مسلمان کے لیے شورائی بنیاد پر عدل و انصاف کے نظام کے قیام کو ممکن بنانا لازم ہو گا؛ لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ یہ نظام کس نوعیت کا ہو گا اور اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہو گی؟ اسی طرح قرآن مجید نے ہر حرام اور حلال چیز کا فرداً فرداً ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حیات انسانی سے متعلق ہر جزوی معاملہ کو موضوعِ بحث بنایا؛ بلکہ اصول متعین کر دیے۔ اب ان متعین اصولوں سے مطلوبہ نتائج اخذ کرنا اور ان کی علت تلاش کر کے حالات و زمانہ کے مطابق ان کی عملی تطبیق پیش کرنا اہل علم پر چھوڑ دیا۔

اسی ضمن میں منتخب سورۃ کی کچھ امثلہ پیش کر کے مسائل میں اسالیب فقہ سے استدلال کا جائزہ لیا گیا ہے تا کہ قرآنی مفاہیم واضح ہوں۔

مشرکین سے نکاح کا امتناع:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سورہ بقرہ میں موجود معاملات وعقوبات سے متعلقہ مسائل میں اسالیب فقہ سے استدلال کا جائزہ
(تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں)

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ۔"[1]

اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور بیشک مسلمان لونڈی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلی ہی لگے، اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے بھی نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور یقیناً مشرک مرد سے مؤمن غلام بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے۔

اس آیت مبارکہ کے حوالے سے علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ دلالۃ النص سے ثابت ہے کہ قرآن مجید میں مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے تو منع کیا گیا ہے مگر اہل کتاب سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ہر چند کے یہود و نصاری دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے۔ اور یہود و نصاری پر اہل کتاب کا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے۔"[2]

درج بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرک نہ تو خدا کو مانتا ہے اور نہ کتاب کو اور نہ ہی رسول کو اور نہ ہی قیامت کے دن کو۔ وہ حلال و حرام کا بھی قائل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو مانتے ہیں۔ ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔[3]

مفتی محمد شفیع عثمانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"آیات مذکورہ میں ایک اہم مسئلہ یہ بیان فرمایا گیا کہ مسلمان مردوں کا نکاح کافر عورتوں سے اور کافر مردوں کا نکاح مسلمان عورتوں سے جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ کافر مرد اور عورتیں انسان کو جہنم کی طرف لے جانے

---

[1]۔ سورۃ البقرۃ:۲۲۱

[2]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج۱، ص۸۲۲

[3]۔ ایضا

کے سبب بنتے ہیں کیونکہ ازدواجی تعلقات آپس کی محبت و مودت اور یگانگت کو چاہتے ہیں اور بغیر اس کے ان تعلقات کا اصلی مقصد پورا نہیں ہوتا اور مشرکین کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قریبہ محبت و مودت کا لازمی اثر یہ ہے کہ ان کے دل میں بھی کفر و شرک کی طرف میلان پیدا ہو یا کم از کم شرک سے نفرت ان کے دلوں سے نکل جائے اور اس کا انجام یہ ہے کہ یہ بھی کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں اور اس کا نتیجہ جہنم ہے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اور صاف صاف اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے تا کہ لوگ نصیحت پر عمل کریں اس جگہ چند باتیں قابل غور ہیں۔"[4]

آپ تفصیل بتاتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

اول: یہ کہ اس آیت میں لفظ مشرک سے اگر مطلقا غیر مسلم مراد ہوں تو قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی بنا پر اہل کتاب کی غیر مسلم عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اگر مشرک سے خاص وہ غیر مسلم مراد ہیں جو اہل کتاب نہیں تو یہ آیت اپنی جگہ عام ہے تمام اُن غیر مسلموں کو جو کسی پیغمبر اور آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ دوسری بات: قابل غور یہ ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کو حرام قرار دینے کی جو وجہ قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے ساتھ ایسے تعلقات قریبہ کفر و شرک میں مبتلا ہو جانے کا سبب بن سکتے ہیں یہ بات تو بظاہر تمام غیر مسلم فرقوں میں مساوی ہے پھر اہل کتاب کی عورتوں کی مستثنیٰ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب ظاہر ہے کہ اہل کتاب کا اختلاف اسلام کے ساتھ بہ نسبت دوسرے غیر مسلموں کے کم اور ہلکا ہے کیونکہ عقائد اسلام کے تین عمود ہیں، توحید، آخرت، رسالت، ان میں سے عقیدہ آخرت میں تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی اپنے اصل مذہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں اسی طرح خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا خود ان کے اصل مذہب میں بھی کفر ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و محبت کے غلو میں شرک تک جا پہنچے۔ اب بنیادی اختلاف صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے اور اسلام میں یہ عقیدہ بھی بنیادی عقیدہ ہے اس کے بغیر کوئی انسان مؤمن نہیں ہو سکتا بہر حال دوسرے غیر مسلم فرقوں کی نسبت سے اہل کتاب کا اختلاف ہلکا اور کم ہے اس لئے اس میں مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں۔ تیسری بات: قابل غور یہ ہے کہ جب اہل کتاب کا اختلاف ہلکا قرار دے

---

[4] ۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ا، ص ۵۴۰

کر ان کی عورتوں سے نکاح مسلمان کا جائز ہوا تو اس کے برعکس مسلمان عورتوں کا نکاح بھی غیر مسلم اہل کتاب سے جائز ہو جانا چاہئے مگر ذرا غور کرنے سے فرق واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کچھ فطرۃ ضعیف ہے اور پھر شوہر اس پر حاکم اور نگران بنایا گیا ہے اس کے عقائد و نظریات سے عورت کا متاثر ہو جانا مستبعد نہیں اس لئے اگر مسلمان عورت غیر مسلم کتابی کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے بخلاف اس کے کہ غیر مسلم کتابی عورت مسلمان کے نکاح میں رہے تو اس کے خیالات کا اثر شوہر پر پڑنا اصولاً مستبعد ہے کوئی بے اصول اور افراط کا شکار ہو جائے یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ چوتھی بات: قابل غور یہ ہے کہ ازدواجی تعلقات میں جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ طرفین پر یکساں ہوتا ہے اس لئے جیسے یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان کے عقائد غیر مسلم سے متاثر ہو جائیں اسی طرح یہ بھی تو احتمال ہے کہ معاملہ برعکس ہو غیر مسلم کے عقائد مسلمان سے متاثر ہوں اور وہ ہی اسلام قبول کر لے تو اس کا مقتضایہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم کے ازدواجی تعلقات کو ممنوع نہ کیا جائے۔ لیکن یہاں حکمت کی بات یہ ہے کہ جب کسی چیز میں ایک نفع کی امید بھی ہو اور کسی ضرر کا خطرہ بھی ہو تو عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ضرر سے بچنے کا اہتمام نفع کی فکر سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے اس نفع کی امید کو نظر انداز کیا گیا کہ شاید وہ غیر مسلم متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے اہتمام اس کا کیا گیا کہ مسلمان متاثر ہو کر کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ پانچویں بات: قابل غور یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کر لیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اولاد ثابت النسب ہو گی لیکن روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کے لئے دیندار صالح عورت تلاش کرنا چاہئے تاکہ خود اس کے لئے بھی دین میں معین ثابت ہو اور اس کی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کو جب خبر پہنچی کہ عراق وشام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانۃً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃ بھی اور آج کے غیر مسلم اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ان کے سیاسی مکر و فریب اور سیاسی شادیاں اور مسلم گھرانوں میں داخل ہو کر ان کو اپنی طرف

مائل کرنا اور ان کے راز حاصل کرنا وغیرہ جس کا اقرار خود بعض مسیحی مصنفین کی کتابوں میں میجر جنرل اکبر کی کتاب حدیث دفاع میں اس کی کچھ تفصیلات حوالوں کے ساتھ مذکور ہیں۔[5]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ دلالۃ النص اور قیاس دونوں اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ وہ نہ تو خدا کو مانتی ہیں اور نہ ہی کتاب کو۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قیاس سے ثابت ہوتی ہے کہ آج کے دور میں اہل کتاب خواتین سے بھی نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اب خدا اور کتاب کو اس حیثیت سے تسلیم نہیں کرتی ہیں جس حیثیت سے پہلے دور کی اہل کتاب خواتین تسلیم کرتی تھیں۔ اب عیسائی اور یہودی خواتین اپنے اپنے ادیان سے دور ہو چکی ہیں اس لیے ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔

طلاق کے بعد نکاح کا مسئلہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔[6]

پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر کے ساتھ نکاح کر لے۔

علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا اپنا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز ان کی دلیل بخاری شریف کی درج ذیل حدیث پاک ہے:

"حَدَّثَنَا الحَسَنُ، أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ، كَانَتْ أُخْتُهُ تَحْتَ رَجُلٍ، فَطَلَّقَهَا ثُمَّ خَلَّى عَنْهَا، حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، ثُمَّ خَطَبَهَا، فَجَمِيَ مَعْقِلٌ مِنْ ذَلِكَ أَنَفًا، فَقَالَ: خَلَّى عَنْهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهَا، ثُمَّ يَخْطُبُهَا، فَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ}۔"[7]

---

[5] ۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۵۴۰۔۵۴۱

[6] ۔ البقرۃ: ۲۳۰

[7] ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۲۲

حسن نے کہا کہ معقل بن یسار کی ایک بہن تھیں جن کا انہوں نے ایک آدمی سے نکاح کر دیا تھا۔ پھر اس آدمی نے انہیں طلاق دے دی یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو گئی۔ پھر وہ آدمی ان کے پاس نکاح کا پیغام لے کر آیا تو حضرت معقل بن یسار سے منع کر دیا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مباشرت ہیں۔ اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ کی روایت نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔[8]

مطلقہ سے رجوع اور اس کو دستور کے مطابق رخصت کا معنی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[9]"

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیّت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

علامہ سعیدی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"دستور کے مطابق عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کا معنی یہ ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کرے اور نکاح کے تمام تقاضے پورے کرے اور بیوی کے تمام حقوق ادا کرے اور دستور کے مطابق چھوڑنے کا معنی یہ ہے کہ اگر اس نے ایک طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ تین حیض گزر گئے تو اب عورت بائنہ ہو گئی اور اس کے نکاح سے نکل گئی تو وہ اب دستور کے مطابق اس کا مہر اور اس کے جہیز کا وہ سامان جو شوہر کو ہبہ نہیں کیا تھا اور اس عورت کی ملکیت تھا، وہ سامان اس کو دے کر رخصت کر دے۔"[10]

---

[8]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۸۴

[9]۔ البقرۃ: ۲۳۱

[10]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱۲، ص ۶۷

مفتی شفیع اس بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

پہلی آیت میں پہلا مسئلہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدت گذرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں، ایک یہ کہ رجعت کرکے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور تعلق نکاح ختم کرکے اس کو بالکل آزاد کردے۔ لیکن دونوں اختیاروں کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید لگائی کہ رکھنا ہو تو قاعدہ کے مطابق رکھا جائے اور چھوڑنا ہو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑا جائے اس میں بالْمَعْرُوْفِ کا لفظ دونوں جگہ علیٰحدہ علیٰحدہ لاکر اس کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ رجعت کے بھی کچھ شرائط اور قواعد ہیں اور آزاد کرنے کے لئے بھی دونوں حالتوں میں سے جس کو بھی اختیار کرے شرعی قاعدے کے موافق کرے محض وقتی غصے یا جذبات کے ماتحت نہ کرے دونوں صورتوں کے شرعی قواعد کا کچھ حصہ تو خود قرآن میں بیان کردیا گیا ہے باقی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔[11]

آیت کے ظاہر الفاظ سے ثابت ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دے تو وہ اس سے عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے۔ یہ قاعدہ بتایا ہے کہ اگر بیوی کو پاس رکھنا ہو تو احسن طریقے سے رکھے اور اگر اس کو آزاد کرنا ہو تو بھی اچھے طریقے سے رخصت کردے۔

طلاق کا اختیار صرف مرد کو:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فان طلقها ۔[12]

اگر اس (مرد) نے اس عورت کو طلاق دے دی۔

اس آیت کے مطابق اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے حالانکہ عقد نکاح عورت اور مرد دونوں کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا ہے تو پھر عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں ہے کہ وہ بھی جب چاہے عقد ختم کردے؟ تو اس کے جواب میں علامہ سعیدی نے لکھا ہے:

---

[11] ۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ا ص ۵۷۱

[12] ۔ البقرۃ: ۲۳۰

"اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلد غصہ آتا ہے۔ اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہو تا تو وقوع طلاق کی شرح دوچند ہو جاتی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عورت کے مطالبہ اور اس کی ضد پر شوہر طلاق دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے، خصوصا ایام حیض میں عورت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ان ایام میں اس کا ذہن منتشر اور مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اس لیے طلاق دینے کا معاملہ عورت کے سپرد ہو تا تو شرح طلاق زیادہ ہو جاتی۔"[13]

مفتی محمد شفیع نے اس آیت کی تفسیر میں قیاس کرتے ہوئے جو لکھا ہے اس کا لب لباب یہی ہے کہ طلاق صرف مرد دے سکتا ہے۔ انہوں نے بھی تفسیر کرتے ہوئے طلاق کے نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ ان کا یہ قیاس آیت کے اس صیغہ کی طرف ہے جو مذکر ذکر ہوا ہے۔[14]

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا حکم:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔[15]

اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنالو۔

اس آیت کے تحت علامہ سعیدی فرماتے ہیں کہ حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام منذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا میں نے تم سے ت اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ پھر کہتا میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذاق میں بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی مذاق میں اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو وہ طلاق واقع ہو جائے۔ گی۔ آپ درج بالا آیت سے قیاس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[13]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۵۳

[14]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۵۵۱

[15]۔ البقرۃ: ۲۳۱

"احکام شرعیہ کا مذاق بنالینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔"[16]

مفتی محمد شفیع نے بھی اس حوالے سے یہی کچھ لکھا ہے:

"اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا کھیل بنانے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ نکاح وطلاق کے لئے اللہ تعالیٰ نے حدود وشروط مقرر کر دیئے ہیں اُن کی خلاف ورزی کرنا اور دوسری تفسیر حضرت ابوالدرداء سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تو ہنسی مذاق میں کہہ دیا تھا طلاق یا عتاق کی نیت نہیں تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ طلاق ونکاح کو اگر کسی نے کھیل یا مذاق میں بھی پورا کر دیا تو وہ نافذ ہو جائیں گے نیت نہ کرنے کا عذر مسموع نہ ہو گا۔"[17]

اس آیت سے مفتی محمد شفیع اور علامہ سعیدی دونوں نے ہی اس بات پر قیاس کیا ہے کہ مذاق میں اگر طلاق دی گئی تو وہ حقیقت میں واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق کا تعلق مذاق یا غصہ سے نہیں بلکہ مرد کے زبانی فعل سے ہے۔ وہ چاہے غصہ میں ہو یا مذاق میں بہر صورت واقع ہو جائے گی۔

خلع

خلع کا معنی ہے میاں بیوی کا باہمی رضامندی سے مال کے بدلے میں نکاح کو ختم کرنا اس طرح کہ بیوی اپنے پاس سے شوہر کو مال دے یا اپنے مہر کے عوض شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور شوہر قبول کرلے اور اسے خلع دے تو خلع واقع ہو جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيْمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَئكَ همُ الظَّالِمُونَ۔"[18]

---

[16]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ا، ص ۸۸۲

[17]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القران، ج ا، ص ۵۷۳

[18]۔ البقرۃ:۲۲۹

پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی (خلع) لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

علامہ سعیدی مذکورہ آیت کی تفسیر میں خلع کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" طلاق کو مرد کے اختیار کے دینے میں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوع طلاق میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے۔ عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے اگر عورت کو مرد کی شکل وصورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبت کی وجہ سے وہ مرد کو ناپسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر چھوڑ کر یا کچھ اور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔"[19]

خلع کے بعد از خود نکاح فسخ نہیں ہوتا بلکہ قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا۔ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلاَ دِينٍ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الكُفْرَ فِي الإِسْلاَمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟» قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اقْبَلِ الحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً۔"[20]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ میں ثابت بن قیس سے کسی بری عادت یا دینداری کی وجہ سے ناراض نہیں ہوں، لیکن میں حالت اسلام میں ناشکری نہیں کرنا چاہتی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کا باغ اس کو واپس کرنے کو تیار ہے، اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ اس کا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔

علامہ سعیدی قرآن مجید کی اس آیت پر اس حدیث کو بطور استشہاد لانے کے بعد فرماتے ہیں:

" اس حدیث کی روشنی میں ہونا یہ چاہیے کہ جب عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور

---

[19]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۵۴

[20]۔ بخاری، الجامع الصحیح، ج ۷، ص ۴۶، رقم: ۵۲۷۳

قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے، یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔"[21]

مفتی محمد شفیع اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"نکاح کی اجمالی حقیقت معلوم کرنے کے بعد طلاق کو سمجھئے، طلاق کا حاصل نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ختم کرنا ہے جس طرح شریعتِ اسلام نے نکاح کے معاملے اور معاہدے کو ایک عبادت کی حیثیت دے کر عام معاملات ومعاہدات کی سطح سے بلند رکھا ہے اور بہت سی پابندیاں اس پر لگائی ہیں اسی طرح اس معاملہ کا ختم کرنا بھی عام لین دین کے معاملات کی طرح آزاد نہیں رکھا کہ جب چاہے جس طرح چاہے اس معاملہ کو فسخ کر دے اور دوسرے سے معاملہ کرلے بلکہ اس کے لئے ایک خاص حکیمانہ قانون بنایا ہے جس کا بیان آیات مذکورہ میں کیا گیا ہے، اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ اس معاملہ کے انقطاع کا اثر صرف فریقین پر نہیں پڑتا نسل واولاد کی تباہی وبربادی اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہونچتی ہے اور پورا معاشرہ بری طرح اس سے متاثر ہوتا ہے اسی لئے جو اسباب اور وجوہ اس معاملہ کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں قرآن وسنت کی تعلیمات میں ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے، زوجین کے ہر معاملے اور ہر حال کے لئے جو ہدایتیں قرآن وسنت میں مذکور ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے ٹوٹنے نہ پائے ناموافقت کی صورت میں اول افہام وتفہیم کی پھر زجر وتنبیہ کی ہدایتیں دی گئیں اور اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی آیت حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔[22] میں خاندان ہی کے افراد کو ثالث بنانے کا ارشاد کس قدر حکیمانہ ہے کہ اگر معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے اور دلوں میں زیادہ بعد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ اصلاح حال کی تمام کوشیش ناکام ہو جاتی ہیں اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم کر دینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کی راہ ہو جاتی ہے اس لئے شریعت اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کیا کہ رشتہ ازدواج ہر حال میں ناقابل فسخ

---

[21]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۵۴

[22]۔ النساء:۳۵

ہی رہے بلکہ طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا طلاق کا اختیار تو صرف مرد کو دیا جس میں عادۃ فکر و تدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زائد ہوتا ہے عورت کے ہاتھ میں یہ آزاد اختیار نہیں دیا تاکہ وقتی تاثرات سے مغلوب ہو جانا جو عورت میں بہ نسبت مرد کے زیادہ ہے وہ طلاق کا سبب نہ بن جائے۔ لیکن عورت کو بھی بالکل اس حق سے محروم نہیں رکھا وہ شوہر کے ظلم و ستم سہنے ہی پر مجبور ہو جائے اس کو یہ حق دیا کہ حاکم شرعی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے اور شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کرا سکے یا طلاق حاصل کر سکے۔"[23]

دلالۃ النص سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اگر چاہے تو خلع لے سکتی ہے۔ لیکن اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت بلاوجہ خلع نہ لے بلکہ جب اس کا خاوند اس کو مجبور کر دے وہ اس وقت اس سے الگ ہونے کے لیے عدالت سے رجوع کر کے خلع لے سکتی ہے۔ یہ عورت کا حق ہے جو اس کو شریعت نے دیا ہے لہذا مرد کو چاہے کہ اگر عورت کا مطالبہ ٹھیک ہے تو وہ اس خلع پر راضی ہو۔ یہی شریعت کا حکم ہے۔

مال حرام کے کھانے کی حرمت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔"[24]

اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)۔

اس آیت کے تحت علامہ سعیدی نے لکھا ہے:

"اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو خطاب کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ کھائے۔ جوا، سود، دھوکے سے لیا ہوا مال، غصب شدہ مال، کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری، اجرت یا

---

[23]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۵۵۴

[24]۔ سورۃ البقرۃ: ۱۸۸

کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا، یا وہ مال جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے، مثلاً فاحشہ کی اجرت، اور شرب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا ناجائز ہے۔"[25]

مفتی شفیع نے بھی اسی سے ملتی جلتی تفسیر کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس ارشاد خداوندی کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریق سے کسی کا مال نہ کھاؤ اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے چوری، اور ڈاکہ بھی جن میں دوسرے پر ظلم کر کے جبراً مال چھین لیا جاتا ہے اور سود، قمار، رشوت اور تمام بیوع فاسدہ اور معاملات فاسدہ بھی جو از روئے شرع جائز نہیں اگرچہ فریقین کی رضامندی بھی متحقق ہو جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اگرچہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں اور قرآن کے الفاظ میں اگرچہ صراحۃ کھانے کی ممانعت مذکور ہے لیکن مراد اس جگہ صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہے خواہ کھا پی کر یا پہن کر یا دوسرے طریقہ کے استعمال سے مگر محاورات میں ان سب قسم کے استعمالوں کو کھا لینا ہی بولا جاتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں کا مال کھا گیا اگرچہ وہ مال کھانے پینے کے لائق نہ ہو۔"[26]

مزید فرماتے ہیں:

"شریعت اسلام نے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جو قانون بنایا ہے وہ صراحۃ وحی الٰہیٰ سے ہے یا اس سے مستفاد اور وہی ایک ایسا معقول فطری اور جامع قانون ہے جو ہر قوم وملت اور ہر ملک وطن میں چل سکتا ہے اور امن عامہ کا ضامن ہو سکتا ہے کیونکہ اس قانون الٰہیٰ میں قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھا گیا ہے جسمیں تمام انسان مساوی حق رکھتے ہیں جیسے ہوا، پانی، خودرو گھاس، آگ کی حرارت اور غیر مملوک جنگلات اور غیر آباد پہاڑی جنگلات کی پیداوار وغیرہ کہ ان میں سب انسانوں کا مشترک حق ہے کسی کو ان پر مالکانہ قبضہ جائز نہیں اور جن چیزوں کے اشتراک میں انسانی معاشرت میں خلل پیدا ہوتا ہے، یا نزاع وجدال کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری فرمایا گیا کسی زمین یا اس کی پیداوار پر ابتدائی ملکیت کا قانون جدا ہے اور پھر انتقالِ ملکیت کا جدا اس قانون کی ہر دفعہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے بشرطیکہ وہ اپنی جدوجہد ان کی تحصیل میں خرچ کرے اور کوئی انسان دوسروں کے حقوق غصب کر کے یا دوسروں کو نقصان پہنچا کر

---

[25]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۴۰۷

[26]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۵۸، ۴۵۹

سرمایہ کو محدود افراد میں مقید نہ کردے انتقالِ ملکیت خواہ بعد الموت وراثت کے قانون الہیٰ کے مطابق ہو یا پھر بیع وشراء وغیرہ کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے ہو مزدوری ہو یا کسی مال کا معاوضہ دونوں میں اس کو ضروری قرار دیا گیا کہ معاملہ میں کوئی دھوکہ، فریب، یا تلبیس نہ ہو اور کوئی ایسا ابہام اور اجمال نہ رہے جس کی وجہ سے باہمی منازعت کی نوبت آئے۔"[27]

مال حرام سے صدقہ کا حکم:

اسی آیت کے تحت علامہ سعیدی نے قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مال حرام سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی مال حرام سے ثواب کی نیت سے صدقہ کرے گا وہ وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو معلوم تھا کہ اس نے دینے والے کے لیے دعا کی اور اس نے آمین کہا تو دونوں کافر ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ فقیر کو دینے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر اس نے ثواب کی نیت سے مسجد بنائی اور کوئی مالی عبادت کی تو وہ کافر ہو جائے گا البتہ اس مسئلہ میں یہ قید ہے کہ اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو جیسے چوری اور ڈاکے کا مال، سحر کی کمائی اور جوا، خمر، مردار اور خنزیر کی قیمت، زنا کی اجرت یا غصب کیا ہوا مال وغیرہ۔

اس کی وجہ تحریر کرتے ہوئے اشارۃ النص سے ثابت کرتے ہوئے دونوں حضرات لکھتے ہیں:

"(اس کی وجہ یہ ہے کہ) کیونکہ ان کے صدقہ پر ثواب کی امید رکھنا ان کو حلال سمجھنے پر موقوف ہے اور حرام قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے۔"[28]

قصاص کا مسئلہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[27]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۵۸، ۴۵۹

[28]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۷۴۰

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"[29]

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) لینا فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلہ میں عورت، سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا ہو تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے۔ اور نیکی کے ساتھ اس کی ادئیگی کی جائے۔ یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ سعیدی تحریر فرماتے ہیں:

آیت میں آزاد کے مقابل آزاد اور عورت کے مقابل عورت کا جو ذکر آیا ہے یہ اُس خاص واقعہ کی بناء پر ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ آیت کا حاصل یہ کہ جس نے قتل کیا ہے۔ وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ چاہے وہ عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ: ابن کثیر نے باسناد ابن ابی حاتم نقل کیا ہے۔ کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہوئی۔ طرفین کے بہت سے آدمی آزاد اور غلام مرد اور عورتیں قتل ہو گئے ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو ہوئی تو ایک قبیلہ جو قوت و شوکت والا تھا۔ اس نے کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے ان کے جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کو رد کرنا تھا۔ کہ غلام کے بدلے آزاد کو عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔ اسلام نے اپنا عادلانہ قانون نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے قتل کرنا اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعا برداشت نہیں کیا جا سکتا۔[30]

---

[29]۔ البقرۃ:۱۷۸

[30]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ا، ص

مفتی شفیع صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر کا جو حوالہ تحریر کیا ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے:

"نُزُولَهَا مَا رَوَاهُ الْإِمَامُ أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَة، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُكَيْر حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ لَهيعة، حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فِي قَوْلِ الله تعالى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى} يَعْنِي: إِذَا كَانَ عَمْدا، الْحُرُّ بِالْحُرِّ. وَذَلِكَ أَنَّ حيَّيْنِ مِنَ الْعَرَبِ اقْتَتَلُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ بِقَلِيلٍ، فَكَانَ بَيْنَهُمْ قَتْلٌ وَجِرَاحَاتٌ، حَتَّى قَتَلُوا الْعَبِيدَ وَالنِّسَاءَ، فَلَمْ يَأْخُذْ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ حَتَّى أَسْلَمُوا، فَكَانَ أَحَدُ الْحَيَّيْنِ يَتَطَاوَلُ عَلَى الْآخَرِ فِي الْعُدَّةِ وَالْأَمْوَالِ، فَحَلَفُوا أَلَّا يَرْضَوْا حَتَّى يُقْتَلَ بِالْعَبْدِ مِنَّا الْحُرُّ مِنْهُمْ، وَبِالْمَرْأَةِ مِنَّا الرَّجُلُ مِنْهُمْ ، فَنَزَلَتْ فِيهِمْ.[31]"

اس آیت کی تفسیر میں آپ عبارۃ النص سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا عورت ہو یا غلام قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔"[32]

دیت کی مقدار اور عاقلہ

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے بدلے دیا جائے، دیت کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں دیت کا ذکر ہوا ہے۔ لیکن دیت کی شرعی مقدار کتنی ہے؟ اس حوالے سے علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

"دیت کی مقدار سو اونٹ یا ہزار دینار (4.374 کلو سونا) یا دس ہزار درہم (30.618 کلو چاندی) ہے۔ دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کے عاقلہ پر لازم ہے۔ عاقلہ سے مراد قاتل کے حمایتی اور مددگار ہیں۔ یہ اس کے اہل

---

[31]۔ابن كثير ،أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ)، تفسير القرآن العظيم ،ج ١، ص ٤٨٩،دار طيبة للنشر والتوزيع

[32]۔ محمد، شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ا ص

قبیلہ، اہل محلہ اور اھل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں۔ جو شخص کسی مل یا کارخانے میں ملازم ہو، اس مل یا فیکٹری کے مالکان اور کارکنان کو بھی عاقلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔"[33]

جبکہ مفتی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:

"مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص اور دیت کے مالک بقدر اپنے حصہ میراث کے ہوں گے اگر دیت یعنی خوں بہا لیا گیا تو مال ان وارثوں میں بحساب وراثت تقسیم ہو گا اور قصاص کا فیصلہ ہوا تو قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہو گا مگر چونکہ قصاص ناقابل تقسیم ہے اس لئے کوئی ادنیٰ درجہ کا حق رکھنے والا بھی اپنا حق قصاص معاف کر دیگا تو دوسرے وارثوں کا حقِ قصاص بھی معاف ہو جائے گا ہاں ان کو دیت (خون بہا) کی رقم حسبِ حصہ ملے گی، قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے مگر باجماعِ امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل کرنے کے لئے حکمِ سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ضروری ہے کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے کس میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں اس لئے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔"[34]

دیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دیدی جاوے مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورتِ مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے معاف نہیں کیا سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جاوے گا اور دیت یعنی خوں بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں اور درہم آجکل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸ ماشے چاندی ہو گی، یعنی ۳۶ سیر ۳ تولے ۸ ماشے۔"[35]

---

[33]۔ سعیدی، تبیان القرآن، ج ۱، ص ۶۹۴

[34]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۳۷

[35]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۳۷

سورہ بقرہ میں موجود معاملات وعقوبات سے متعلقہ مسائل میں اسالیب فقہ سے استدلال کا جائزہ
(تفسیر تبیان القرآن اور تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں)

خلاصہ

دونوں حضرات نے قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف اسالیب فقہ سے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ انہوں نے مختلف اسالیب فقہ جن میں استحسان، قیاس، احادیث سے استدلال کر کے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ طلاق کے مسئلہ میں مفتی محمد شفیع نے قیاس کرتے ہوئے عدت کے بارے میں مسئلہ واضح کیا ہے۔ اسی طرح علامہ سعیدی نے دیت کے حوالے سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کرتے ہوئے آیت کے معنی ومفہوم کی تفسیر کی ہے۔ دیت کی مقدار کے حوالے سے یہ آیت مجمل ہے۔ علامہ سعیدی نے اس کی تفسیر حدیث سے کر کے اس کے اجمال کو دور کر دیا ہے۔ اسی طرح حرام مال کھانے پر آیت سے قیاس کرتے ہوئے حرام کے کے مال سے صدقہ کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔